27

ڈلہوزی میں حضرت خلیفۃ المسیح کی کوٹھی پر پولیس کی خلافِ قانون حرکات

(فرمودہ 12 ستمبر 1941ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مجھے آج خطبہ کے لئے آنے میں اس لئے دیر ہو گئی ہے کہ مَیں جس امر کے متعلق خطبہ دینا چاہتا تھا مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس کے لئے نوٹ لکھ لوں تاکہ کوئی ایسی بات جو مَیں کہنا چاہتا ہوں نظر انداز نہ ہو جائے یا کم سے کم بیشتر حصہ ان امور کا جنہیں میں کہنا چاہتا ہوں آ جائے۔

دوستوں کو یہ معلوم ہو گا کہ میرا ڈلہوزی سے کل صبح آنے کا ارادہ تھا لیکن مَیں کل صبح نہیں آ سکا جس کی وجہ سے بعض دوستوں کو جو نہر پر استقبال یا انتظام کے لئے گئے ہوئے تھے تکلیف ہوئی مگر اس کی ایک وجہ تھی جو آج کے خطبہ سے معلوم ہو جائے گی۔ اور وہ وجہ پرسوں پیدا ہوئی جبکہ ہم آنے کے لئے تیار تھے اور چند گھنٹوں میں ہی روانگی کے لئے اسباب باندھنے والے تھے۔ وہ وجہ جو پیدا ہوئی سلسلہ کی تاریخ میں ایک نرالا واقعہ ہے۔ ایسا نرالا کہ مَیں اسے 1934ء کے اُس واقعہ سے بھی بڑھ کر سمجھتا ہوں جبکہ گورنر پنجاب نے مجھ کو رات کے وقت نوٹس بھجوایا تھا کہ تم احمدیہ جماعت کے افراد کو روک دو کہ وہ قادیان میں نہ آئیں اور بعد میں گورنر ان کونسل نے اس کے متعلق دو دفعہ معذرت کی اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ مگر پیشتر اس کے کہ مَیں اس واقعہ کو بیان کروں مَیں جماعت کے

دوستوں کو نصیحت کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں کیونکہ یہ جنگ کا وقت ہے اور ایک ایسی عظیم الشان لڑائی دنیا کے پردہ پر لڑی جا رہی ہے جس کا اثر اسلام اوراحمدیت پر پڑنا بھی ضروری ہے اور دنیا کے تمام ممالک اور افراد پر بھی اس کا اثر پڑنا ضروری ہے۔ گویا دنیا کی قسمت کا فیصلہ موجودہ زمانہ یا موجودہ صدی میں اس جنگ سے وابستہ ہے۔ پس چونکہ آجکل ایک ایسا نازک دَور ہے جس میں وہ جنگ لڑی جا رہی ہے جس کا اثر اسلام اور احمدیت پر بھی پڑتا ہے اس لئے ہمیں دوسرے تمام واقعات کے متعلق اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہئے تاکہ اس جد و جہد میں جو ہماری جماعت کر رہی ہے ،کر سکتی ہے یا آئندہ کرے گی کسی قسم کی کوتاہی واقع نہ ہو۔

مَیں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی جوش کے ماتحت چھوٹی چیزوں کے لئے اہم چیزوں کو قربان کر دیا کرتے ہیں ان لوگوں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی کشتی میں سوار ہو اور کوئی آدمی اسے گالی دے اور وہ اس سے گُتھم گُتھا ہو جائے اورلڑھک کر سمندر میں گر کر دونوں ڈوب جائیں۔

میرے نزدیک ایسے انسان یقینی طور پر بے وقوف ہوتے ہیں۔ گو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں اس قسم کی بے وقوفی کا ارتکاب کرنے والے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ میری جماعت کے لوگ بھی ایسے موقعوں پر مجھے یہ مشورہ دیا کرتے ہیں کہ اب صبر کا وقت نہیں اب دشمن کامقابلہ کرنا چاہئے۔ مگر جہاں میں ان دوستوں کے اخلاص اور ان کی محبت اور ان کی قربانی کا قائل ہوں اور ان کے ان جذبات پر فخر کرتا ہوں جو سلسلہ کے لئے غیرت کے طور پر ان میں پیدا ہوتے ہیں وہاں مجھے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ان کی رائے صائب اور درست نہیں۔ اور مَیں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ میرے نزدیک خواہ کوئی کتنی ہی بڑی بات ہو اور خواہ ایسی اہم بات ہو جسے دوسرے وقتوں میں انسان قربان نہیں کر سکتا اگر اس وقت اس کے مقابل پر اس سے بڑھ کر کوئی اور

بات آجائے تو آخر اس اہم بات کی قربانی دینی ہی پڑتی ہے۔

جان کتنی پیاری چیز ہے لوگ اپنی یا اپنے کسی عزیز کی جان بچانے کے لئے روپے بھی خرچ کرتے ہیں، تکلیفیں بھی اٹھاتے ہیں، منتیں اور خوشامدیں بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی کا کوئی عزیز بیمار ہو جاتا ہے تو سارے رشتہ دار اُس کے علاج اور تیمار داری کے لئے جمع ہو جاتے ہیں، ڈاکٹروں کی فیسیں دیتے ہیں، دوائیں بیچنے والوں کو قیمت ادا کرتے ہیں، نرسیں رکھتے ہیں۔ بیوی بیمار ہو تو خاوند اور بچے اور اگر خاوند بیمار ہو تو بیوی اور بچے راتوں کو جاگتے اور ہر قسم کی تکالیف اپنے نفس پر برداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح باپ یا ماں بیمار ہو تو تمام بچے ایسی خدمات میں لگ جاتے ہیں جو دوسرے اوقات میں نہیں کر سکتے مگر جب ملکی حفاظت کا فرض قوم پر عائد ہوتا ہے تو وہی جان جسے اتنا قیمتی خیال کیا جاتا ہے کوئی شخص کوڑیوں کے برابر بھی اس کی قیمت تجویز نہیں کرتا اور ہر محبِّ وطن اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے۔

ماں باپ کی عزت کتنی پیاری ہوتی ہے مگر جب دنیا میں خدا تعالیٰ کے انبیاء آتے ہیں تو وہ ماں باپ جن کے لئے انسان اپنی قوم سے، اپنے دوستوں اور اپنے ہمسائیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ان کو بالکل قربان کر دیا جاتا ہے۔ تو یہی سوال نہیں ہوتا کہ کوئی امر بڑا ہے بلکہ یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ آیا اس کے مقابلہ میں کوئی اس سے بھی بڑا معاملہ ہے یا نہیں۔ اور اگر ہو اور اس کے مقابلہ میں نسبتی طور پر وہ چھوٹا سمجھا جا سکتا ہو تو خواہ وہ اپنی ذات میں کتنا ہی بڑا اور اہم معاملہ کیوں نہ ہو اسے قربان کر دینا پڑے گا۔ پس مَیں خود بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے ان باتوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور جماعت کے دوستوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ جب وہ باتیں جن کو مَیں ابھی بیان کروں گا ہو رہی تھیں اس وقت بعض جوشیلے دوستوں نے مجھے کہا کہ اب وقت نہیں رہا کہ ہم حکومت کی ہر بات مانتے چلے جائیں مگر مَیں نے اس وقت بھی انہیں

یہی کہا کہ آجکل جنگ کا زمانہ ہے اور یہ سوال بہت زیادہ اہم ہے بہ نسبت اس کے کہ پنجاب گورنمنٹ یا اس کے کسی صیغہ سے ہمارا کوئی جھگڑا ہو بے شک اس واقعہ کے ذریعہ احمدیت کی تذلیل کی گئی ہے مگر چونکہ اس سوال سے بہت زیادہ اہم سوال وہ ہے جو جنگ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور جس کے اثرات اسلام اور احمدیت پر پڑنے بھی یقینی ہیں اس لئے مَیں کوئی ایسا قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں جس کا اثر ہماری ان کوششوں پر پڑے جو جنگ کے متعلق ہماری طرف سے کی جا رہی ہیں۔

دوسرے اس لئے بھی ہمیں اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہئے کہ ہمیں ابھی تک اصل مجرموں کا پتہ نہیں لگ سکا اور ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ حکومت پنجاب کا اس میں دخل ہے یا نہیں۔ اور اگر دخل ہے تو کس حد تک۔ اِسی طرح ابھی تک ہم یقینی طور پر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کسی لوکل افسر کا اس میں دخل ہے یا نہیں۔ جہاں تک میر اعلم ہے اور پرسوں تک جو کچھ واقعات میرے علم میں آئے ہیں ان سے نتیجہ نکال کر مَیں یہی کہہ سکتا ہوں کہ لوکل افسروں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ مگر بہرحال ابھی ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ اس کی اصل ذمہ داری کس پر ہے۔ اس لئے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اصل ذمہ دار کون ہے اس وقت تک عقلاً ہمیں اپنے جوشوں کو دبائے رکھنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ اس واقعہ کا کون ذمہ دار ہے۔

اب مَیں اصل واقعات کو بیان کرتا ہوں۔ ڈلہوزی میں ڈاک عموماً دس بجے تک تقسیم ہونے لگتی ہے تو ساڑھے نو بجے وہاں موٹر پہنچتی ہے۔ جو لوگ ڈاک لانے کے لئے اپنا آدمی بھیج دیتے ہیں انہیں ڈاک ذرا جلدی مل جاتی ہے اور جو لوگ اپنا آدمی نہیں بھیجتے انہیں ڈاک ذرا دیر میں تقسیم ہوتی ہے۔ ہماری ڈاک بِالعموم وہاں دس بجے آ جاتی ہے جہاں ڈاکیا تقسیم کرنے جاتا ہے وہاں گیارہ ساڑھے گیارہ بارہ بلکہ ایک بجے بھی پہنچتی ہو گی۔ رجسٹریاں اور بیرنگ خطوط چونکہ ڈاکیا ہی لے کر جاتا ہے دوسرا نہیں لا سکتا اس لئے یہ ڈاک ہماری کوٹھی پر بارہ بجے کے قریب

پہنچتی ہے۔ بدھ کے دن ہمارا آدمی ڈاک لے کر آیا اور مَیں ڈاک پڑھنے بیٹھ گیا۔ آجکل طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اور اس سے پہلے تفسیر القرآن کے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے ساری ڈاک مَیں خود نہیں پڑھتا بلکہ لفافے دیکھ کر ایسے خطوط جن کے متعلق مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ ضروری مضامین پر مشتمل ہوں گے یا ایسے خطوط جو غیر احمدیوں کی طرف سے آئیں یا ایسے خطوط جو میرے عزیزوں کی طرف سے آئیں یا ایسے خطوط جو جماعتوں کی طرف سے آئیں اور جن کے متعلق مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ سلسلہ کے نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں چھانٹ کر رکھ لیتا ہوں اور باقی تمام ڈاک دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں بھجوا دیتا ہوں۔ پھر دفتر والے ان خطوط کا خلاصہ لکھ کر میرے سامنے پیش کرتے ہیں یا اگر اہم خطوط ہوں تو انہیں میرے سامنے علیحدہ طور پر پیش کر کے مجھ سے جواب حاصل کرتے ہیں۔

اُس دن بھی مَیں نے ڈاک چھانٹی اور اس قسم کے خطوط علیحدہ کر لئے۔ مَیں ان خطوط کو پڑھ رہا تھا۔ بارہ بجے کا وقت تھا کہ میرا لڑکا خلیل احمد جس کی عمر اس وقت پونے سترہ سال ہے۔ میرے پاس آیا اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا جو بند تھا۔ وہ پیکٹ گول تھا اس کے باہر ایک کاغذ لپٹا ہوُا تھا اور اس کاغذ پر اس کا پتہ لکھا ہوُا تھا۔ خلیل احمد نے وہ پیکٹ مجھے دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ پیکٹ کسی نے میرے نام بھجوایا ہے اور گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے وہ پیکٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور چونکہ وہ بند تھا اس لئے طبعاً مجھے خیال پیدا ہوُا کہ اسے کیونکر معلوم ہوُا کہ یہ پیکٹ گورنمنٹ کے خلاف ہے چنانچہ مَیں نے اس سے کہا کہ یہ پیکٹ تو بند ہے۔ تمہیں کیونکر معلوم ہوُا کہ اس میں کوئی ایسے کاغذات ہیں جو گورنمنٹ کے خلاف ہیں۔ اس نے کہا کہ اس پیکٹ کا خول کچھ ڈھیلا سا ہے۔ مَیں نے بغیر اوپر کا کَوَر پھاڑنے کے اندر سے کاغذات نکال کر دیکھے تو معلوم ہوُا کہ اس میں گورنمنٹ کے خلاف باتیں لکھی ہوئی ہیں اس پر مَیں نے بھی دیکھا تو واقع میں کَوَر (Cover) کچھ ڈھیلا سا تھا۔ پھر تجربہ کے طور پر مَیں نے بھی بغیر کَوَر پھاڑنے کے اس میں سے

کاغذات نکالے اور مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ خلیل احمد جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہے۔ مَیں نے وہ اشتہار سب کا سب نہیں پڑھا بلکہ صرف ایک سطر دیکھی۔ اس کا مضمون کچھ اس قسم کا تھا کہ گورنمنٹ نے بعض ہندوستانی سپاہیوں کو کسی جگہ مروا دیا ہے۔

غرض بغیر اس کے کہ مَیں اس اشتہار کو پڑھتا صرف ایک سطر دیکھ کر اور خلیل احمد کی بات کو درست پا کر مَیں نے وہ پلندہ کَور میں ڈال دیا۔ اور درد صاحب کی طرف آدمی بھجوایا کہ وہ فوراً مجھ سے آکر ملیں۔ درد صاحب ایک دو منٹ کے بعد ہی سیڑھیوں پر آ گئے۔ مَیں سیڑھیوں میں ان کے پاس گیا اور مَیں نے ان کے ہاتھ میں وہ پیکٹ دیتے ہوئے کہا کہ یہ پیکٹ خلیل احمد کے نام آیا ہے اور اس نے مجھے ابھی آ کر دیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ پیکٹ گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور جب مَیں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح پتہ لگا کہ یہ گورنمنٹ کے خلاف ہے تو اس نے بتایا کہ مَیں نے بغیر کَور پھاڑنے کے اندر کے کاغذات نکال کر دیکھے تھے اور مجھے اس کا مضمون گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہوا۔ اس پر مَیں نے بھی بغیر پھاڑنے کے اس میں سے کاغذات نکال کر دیکھے تو وہ آسانی سے باہر آ گئے اور اس پر نظر ڈالتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ گورنمنٹ کے خلاف ہیں۔ نہ صرف اس لئے کہ ایک سطر جو مَیں نے پڑھی اس کا مضمون گورنمنٹ کے خلاف تھا بلکہ اس لئے بھی کہ گورنمنٹ کے خلاف جو اشتہارات وغیرہ شائع کئے جاتے ہیں وہ دستی پریس پر چھاپے جاتے ہیں اور وہ کاغذات بھی دستی پریس پر ہی چَھپے ہوئے تھے اس پیکٹ کے اوپر جو پتہ لکھا ہوا تھا وہ خوش خط لکھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مسلمان نے لکھا ہے۔ یہ تو مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں مرزا کا بھی لفظ تھا یا نہیں مگر "صاحبزادہ خلیل احمد" ضرور لکھا ہوا تھا۔ ص کا دائرہ بھی بڑا اچھا تھا اور ح کے گوشے بھی خوب نکالے ہوئے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پتہ کسی مسلمان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

خیر مَیں نے وہ پیکٹ درد صاحب کو دیا اور کہا کہ یہ کسی کی شرارت معلوم ہوتی ہے اور چونکہ ممکن ہے کہ اس قسم کے ٹریکٹ تمام پنجاب کے نوجوانوں میں عام طور پر تقسیم کئے جا رہے ہوں اس لئے آپ فوراً یہ پیکٹ ہِز ایکسی لینسی گورنر صاحب پنجاب کو بھجوا دیں اور انہیں لکھ دیں کہ میرے لڑکے خلیل احمد کے نام ایسا پیکٹ آیا ہے اور چونکہ ممکن ہے کہ اور پنجاب کے نوجوانوں کے نام بھی اسی طرح ٹریکٹ اور اشتہارات وغیرہ بھیجے گئے ہوں اس لئے یہ پیکٹ آپ کو بھجوایا جاتا ہے۔ آپ اس کے متعلق جو محکمانہ کارروائی کرنا مناسب سمجھیں کریں۔ مَیں یہ بات کر کے واپس ہی لَوٹا تھا کہ ایک آدمی نیچے سے آیا اور درد صاحب سے کہنے لگا کہ پولیس والے آئے ہیں اور وہ آپ کو بلاتے ہیں۔ مَیں نے اس آدمی کو نہیں دیکھا کیونکہ وہ سیڑھیوں کے موڑ کے پیچھے تھا۔ یہ بات سن کر مَیں نے درد صاحب سے کہا کہ آپ جائیں اور جا کر معلوم کریں کہ پولیس والے کیا کہتے ہیں۔ درد صاحب گئے اور تین چار منٹ کے بعد ہی واپس آ گئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ پولیس کے کچھ سپاہی آئے ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مرزا خلیل احمد صاحب سے ملنا ہے۔ درد صاحب کہنے لگے کہ مَیں نے انہیں کہا کہ خلیل تو بچہ ہے اس سے آپ نے کیا بات کہنی ہے۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں وہ مجھے لکھ کر دے دیں۔ مگر انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ ہم اسی سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس بارہ میں ہم کچھ لکھ کر نہیں دے سکتے۔ درد صاحب کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتے تھے مگر مَیں نے اس خیال سے کہ معمولی بات ہے ان سے کہا کہ کوئی حرج کی بات نہیں مَیں خلیل کو بھجوا دیتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے اُسی وقت خلیل احمد کو بھجوا دیا۔ چند منٹ کے بعد ہی خلیل احمد واپس آیا اور اس نے مجھے کہا کہ سپاہیوں نے مجھ سے یہ پوچھا تھا کہ کیا اس قسم کا پیکٹ تمہارے نام آیا ہے اور مَیں نے کہا کہ ہاں آیا ہے مگر مَیں نے اپنے ابا کو دے دیا ہے۔ پھر پولیس والوں نے اس پیکٹ کی طرف اشارہ کر کے (جو درد صاحب نیچے لے گئے تھے) مجھے کہا کہ یہ پیکٹ اپنے ہاتھ میں لے کر کھول دو۔

مگر مَیں نے کہا کہ مَیں اسے نہیں کھول سکتا۔ خلیل احمد سے جب یہ بات مَیں نے سُنی تو مَیں نے کہا تم نے بہت اچھا کیا جو پیکٹ اپنے ہاتھ سے نہیں کھولا۔ مَیں سمجھتا ہوں اس کے ہاتھ سے پیکٹ کھلوانے کا منشاء یہ تھا کہ وہ شرارتاً اس طرح اپنے کانشنس(CONSCIENCE) کو یہ تسلی دینا چاہتے تھے کہ انہوں نے خلیل کے ہاتھ سے یہ پیکٹ لیا ہے۔ خیر وہ بات کر کے ہٹا تو اسی وقت درد صاحب نے سیڑھیوں پر سے آواز دی اور میرے جانے پر انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے مجھ سے وہ پیکٹ مانگا تھا مگر مَیں نے دینے سے انکار کر دیا اور ان سے کہا کہ تم مجھے وہ قانون بتاؤ جس کے ماتحت تم مجھ سے یہ پیکٹ لینا چاہتے ہو۔ پھر مَیں نے ان سے آپ کا نام لے کر کہا کہ مجھے خلیفۃ المسیح کی طرف سے یہ پیکٹ ایک بڑے افسر کو بھجوانے کے لئے ملا ہے اس لئے مَیں یہ پیکٹ تمہیں نہیں دے سکتا۔ اس پر انہوں نے وہ پیکٹ مجھ سے چھین کر باہر پھینک دیا اور ایک سپاہی اسے لے کر بھاگ گیا مَیں نے پھر جلدی میں ان کی پوری بات نہ سنی اور مَیں سمجھ گیا کہ یہ ہم سے شرارت کی گئی ہے چنانچہ مَیں نے اوپر آ کر گورنر صاحب کو ایک تار لکھا جس میں وہ اہم واقعات جو اس وقت تک ہوئے تھے لکھ دیئے۔ یہ تار لے کر مَیں پھر سیڑھیوں میں آیا تو اس وقت درد صاحب واپس جا چکے تھے مَیں نیچے اتر کر بیٹھک میں آیا تو مَیں نے دیکھا کہ ہماری کوچ اور کرسیوں پر پولیس والے اپنی لاتیں دراز کر کے یوں بیٹھے ہیں کہ گویا ان کا گھر ہے۔ مَیں جھٹ دروازہ بند کر کے برآمدہ کی طرف سے دفتر کے کمرہ میں آیا تو مَیں نے دیکھا کہ برآمدہ میں بھی پولیس والے کھڑے ہیں۔ خیر مَیں نے درد صاحب کو تار دیا اور کہا کہ یہ ابھی گورنر صاحب کو بھجوا دیا جائے پھر مَیں گورنر صاحب کو ایک مفصّل چٹھی لکھنے بیٹھ گیا۔ اس عرصہ میں دو دفعہ مجھے پھر نیچے جانا پڑا۔ ایک دفعہ تو مَیں درد صاحب کو یہ کہنے کے لئے گیا کہ آپ اس تار کا مضمون پولیس کے سپاہیوں کو بھی سنا دیں اور ان سے پوچھ لیں کہ اس میں کوئی غلط بات تو بیان نہیں کی گئی اور اگر کسی واقعہ کا وہ انکار کریں تو

مجھے بتایا جائے تا کہ اگر کسی قسم کی اس میں غلطی ہو تو اس کو دور کر دیا جائے۔ میرے اس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ نیچے جو واقعات درد صاحب کو پیش آئے تھے وہ مَیں نے نہیں دیکھے تھے اور میرا فرض تھا کہ ان واقعات کے بیان کرنے میں دوسروں کو صفائی کا موقع دوں اور اگر کوئی خلاف واقعہ بات درج ہو گئی ہو تو اس کی تصحیح کر دوں۔

پھر بعد میں مجھے ایک اَور بات کی نسبت خیال آیا کہ اس کا لکھنا بھی تار میں ضروری تھا اس لئے مَیں دوسری دفعہ پھر نیچے اترا اور مَیں نے درد صاحب کو اس واقعہ کو لکھنے کی بھی ہدایت کی اور ساتھ ہی پھر انہیں کہہ دیا کہ یہ واقعہ بھی ان کو سنا دینا۔ اس وقت تک بھی پولیس برابر ہمارے مکان کے نچلے حصہ پر قبضہ جمائے بیٹھی رہی۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس دن ہمارے اکثر آدمی باہر کام پر گئے ہوئے تھے۔ عزیزم مرزا مظفر احمد صاحب جو ڈلہوزی میں ہمارے ہاں مہمان آئے ہوئے تھے وہ بھی مرزا ناصر احمد کو ملنے کے لئے ان کی کوٹھی پر گئے ہوئے تھے۔ خیر کچھ دیر کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہمیں تو قانون کی واقفیت نہیں۔ مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد کو بلوا لیا جائے چنانچہ مَیں پھر نیچے اُترا اور ایک شخص سے کہا کہ درد صاحب سے جا کر کہیں کہ فوری طور پر مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد کو بلوا لیا جائے۔ اس وقت مجھے پھر معلوم ہوًا کہ ابھی تک بھی پولیس مکان پر قابض تھی۔ خیر اس شخص نے مجھے بتایا کہ درد صاحب پہلے ہی ایک آدمی ان کی طرف بھجوا چکے ہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد دونوں پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ پیچھے آرمڈ پولیس رائفلیں لے کر چلی آ رہی ہے۔ درد صاحب نے مرزا عبد الحق صاحب پلیڈر کی طرف بھی آدمی بھجوا دیا اور وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد آ گئے اس وقت تک بھی پولیس کمرہ پر اور برآمدہ پر قابض تھی مجھے اس وقت خیال گزرا کہ پولیس والوں نے ضرور تھانہ میں کوئی رقعہ بھیجا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آرمڈ پولیس

رائفلیں لے کر ہمارے مکان پر پہنچ گئی ہے۔ اس کے بعد مَیں پھر خط لکھنے میں مشغول ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ مجھے تو قانون کا علم نہیں تم قانون پڑھے ہوئے ہو۔ کیا پولیس کا کسی کے مکان کے اندر داخل ہونا جائز ہے؟ انہوں نے کہا کہ قانون کے رو سے یہ بالکل ناجائز ہے۔ مَیں نے کہا تو پھر تم جاؤ اور پولیس والوں سے بات کرو۔ اتنے میں مرزا ناصر احمد بھی آ گئے اور کہنے لگے کہ پولیس والے ہمارے مکان کے اندر کیوں بیٹھے ہیں اور درد صاحب نے انہیں بیٹھنے کیوں دیا۔ یہ بالکل خلافِ قانون حرکت ہے جو پولیس والوں نے کی ہے۔ پولیس والے بغیر اجازت کے کسی گھر میں داخل نہیں ہو سکتے اور اگر وہ داخل ہوں تو اس صورت میں انہیں اپنی تلاشی دینی ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ کیا پتہ کہ وہ کوئی ناجائز چیز اندر پھینک جائیں۔ اس لئے قانون یہی کہتا ہے کہ پولیس کی پہلے تلاشی ہونی ضروری ہے تا ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی طرف سے کوئی ناجائز چیز پھینک دے اور گھر والوں کو مجرم بنا دے پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا پولیس والوں کی تلاشی لے لی گئی تھی؟ مَیں نے کہا کہ میرے علم میں تو یہ بات نہیں آئی کہ پولیس والوں کی تلاشی لی گئی ہو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ یہ درد صاحب کا فرض تھا کہ پولیس والوں کو اندر نہ آنے دیتے۔ مرزا ناصر احمد نے چونکہ بیرسٹری کی بھی کچھ تعلیم پائی تھی وہ کچھ قانون سے واقف ہیں۔ مَیں نے کہا کہ جب پولیس والوں کو قانوناً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے مکان میں داخل ہوں تو پھر جاؤ اور ان کو قائل کرو اس پر وہ نیچے آئے اور پولیس والوں سے اونچی باتیں کرنے لگے۔ مرزا ناصر احمد کی آواز ذرا زیادہ بلند تھی مَیں نے اس وقت خیال کیا کہ یہ بچہ ہے اور اسے ابھی پورا تجربہ نہیں ہم اس وقت چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اگر اس نے کوئی بات کی تو ممکن ہے پولیس والے اس پر کوئی الزام لگا دیں کہ اس نے ہم پر دست درازی کی ہے اس لئے مَیں جلدی سے نیچے اترا۔ اس وقت پولیس والے اندر کے کمرہ سے نکل کر برآمدہ میں آ چکے تھے اور مرزا ناصر احمد

انہیں یہ کہہ رہے تھے کہ تم جہاں اندر بیٹھے تھے وہیں جا بیٹھو مَیں اسی حالت میں تمہاری تصویر لینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم وہاں نہیں جاتے۔ مَیں نے جب ان کی یہ باتیں سنیں تو مَیں نے سپاہیوں سے کہا کہ تم سب پہلے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور کئی بھلے مانس اس کے گواہ ہیں۔ مَیں نے خود تمہیں اند ربیٹھے دیکھا، درد صاحب نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا، مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ہمارے عملہ کے اور کئی آدمیوں نے تم کو اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ اب اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ پھر تم وہیں جا بیٹھو اور تمہاری اس وقت کی تصویر لے لی جائے اگر تمہارا اندر آنا قانون کے مطابق تھا تو تم اب بھی وہاں بیٹھ سکتے ہو اور اگر تمہارا اندربیٹھنا قانون کے خلاف تھا تو تم اپنی غلطی کا اقرار کرو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم تو اندر بیٹھے ہی نہیں۔ مَیں نے ان سے کہا کہ تین دفعہ تو مَیں نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ اسی طرح درد صاحب نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ہے، خلیل احمد سے تم نے جو باتیں کیں وہ اندر ہی کیں اسی طرح تمہیں مظفر احمد نے دیکھا، ناصر احمد نے اندر دیکھا۔ اب تم کس طرح کہہ رہے ہو کہ تم اندر بیٹھے ہی نہیں اور اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہو۔ مگر اس پر بھی انہوں نے یہی کہا کہ ہم اندر بالکل نہیں بیٹھے۔ اتنے میں مرزا مظفر احمد نے کہا کہ مَیں جب آیا تھا تو اس وقت بھی یہ سب سپاہی اندر بیٹھے تھے اور نہ صرف اندر بیٹھے ہوئے تھے بلکہ ایک سپاہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ خلافِ قانون اپنی پیٹی کھول کر بیٹھا تھا مگر وہ یہی کہتے چلے گئے کہ ہم اندر نہیں گئے۔ اس پر مَیں نے انہیں کہا کہ مجھے افسوس ہے۔ آج مجھے ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ ہوًا ہے کہ عدالتیں کن جھوٹے آدمیوں کی گواہیوں پر لوگوں کو سزائیں دیتی ہیں۔ مَیں نے ان سے کہا تم وہ ہو کہ تمہیں اس بات کا علم ہے کہ مَیں تمہارے پاس آیا اور مَیں نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا، ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ۔ پھر تم نے درد صاحب سے یہاں باتیں کیں، تم نے خلیل احمد سے یہاں باتیں کیں، تم نے مظفر احمد سے یہاں باتیں کیں، تم نے ناصر احمد سے

یہاں باتیں کیں اور تم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ جو کچھ مَیں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے مگر اتنے گواہوں کے باوجود تم کہہ رہے ہو کہ تم اندر نہیں بیٹھے۔ جس قسم کا جھوٹ تم لوگ بول رہے ہو اس قسم کی گواہیوں پر عدالتوں کی طرف سے لوگوں کو سزاؤں کا ملنا یقیناً نہایت ہی افسوسناک اور ظالمانہ فعل ہے اس پر وہ کچھ کھسیانے سے ہو گئے مگر اقرار انہوں نے پھر بھی نہ کیا کہ وہ کمرہ کے اندر بیٹھے تھے۔

جب مَیں نے دیکھا کہ وہ اس طرح کھلے طور پر جھوٹ بول رہے ہیں تو مَیں نے خیال کیا کہ نہ معلوم ہمارے متعلق وہ اور کیا باتیں بنا لیں۔ شاید وہ یہی کہہ دیں کہ ہم پر انہوں نے حملہ کر دیا تھا اور ہمیں مارنے پیٹنے لگ گئے تھے۔ اس لئے مَیں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ مظفر اس ملک میں احمدیوں کے قول پر کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ تم تعلیم یافتہ ہو، عہدہ دار ہو لیکن پھر بھی اگر کوئی واقعہ ہوا تو تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اعتبار انہی لوگوں کی بات پر کیا جائے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان واقعات کی شہادت کے لئے کسی اور کو بھی بلا لیا جائے۔ ہمارے ہمسایہ میں ایک غیر احمدی ڈپٹی کمشنر صاحب چُھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ مَیں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ فوراً ان کی طرف ایک آدمی دوڑا دیا جائے اور کہا جائے ایک ضروری کام ہے۔ آپ مہربانی کر کے تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے آئیں۔ میرا منشاء یہ تھا کہ وہ آئیں تو اس واقعہ کے گواہ بن جائیں گے۔ چنانچہ مرزا مظفر احمد نے ان کی طرف ایک آدمی دوڑا دیا کہ ضروری کام ہے آپ جلدی تشریف لائیں۔ اس کے بعد میں پھر اوپر چلا گیا اتنے میں نیچے سے مجھے آوازیں آئیں اور مَیں نے آواز سے پہچان لیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب آ گئے ہیں۔ وہ ان سپاہیوں سے باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم نے صریحاً خلافِ قانون حرکت کی ہے۔ یہ باتیں سن کر مَیں بھی نیچے اتر آیا اور مَیں نے ان کے سامنے تمام پہلی باتوں کو دہرانا شروع کر دیا۔ مَیں نے کہا کہ اس طرح خلیل احمد کے نام ایک پیکٹ آیا تھا

جو مَیں نے درد صاحب کو اس لئے دیا کہ وہ گورنر صاحب پنجاب کو بھجوا دیں۔ انہوں نے درد صاحب سے وہ پیکٹ چھین لیا اور پھر انہوں نے تھانہ میں کوئی جھوٹی رپورٹ بھیج دی جس پر مسلح پولیس آ گئی۔ پھر مَیں نے ان سپاہیوں سے کہا کہ یہ جو مسلح پولیس آئی ہے یہ ضرور کسی تمہاری رپورٹ کے نتیجہ میں آئی ہے۔ تم نے لکھا ہو گا کہ یہ لوگ ہمیں مارنے اور قتل کرنے کے درپے ہیں۔ یقیناً تم نے ایسا ہی لکھا ہے ورنہ تھانے والوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ مسلح پولیس یہاں بھیج دیتے۔ پھر مَیں نے ان سے کہا کہ جب درد صاحب سے تم نے پیکٹ چھینا تھا تو کیا اس سے تمہاری غرض یہ نہیں تھی کہ تم یہ بات بنا سکو کہ تم نے وہ پیکٹ خلیل سے لیا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے جس طرح آپ نے کوئی بات بنانی تھی اسی طرح ہم نے بھی کوئی بات بنانی ہی تھی۔ یہ باتیں انہوں نے ان ڈپٹی کمشنر صاحب کے سامنے کیں اور مَیں نے بھی ان سے اس لئے کہلوائیں تاکہ وہ ڈپٹی کمشنر ان باتوں کے گواہ بن جائیں (گو مَیں نہیں کہہ سکتا کہ ان باتوں میں سے انہوں نے کتنی سنیں کیونکہ اس وقت مختلف باتیں ہو رہی تھیں) اسی طرح ابھی ڈپٹی کمشنر صاحب نہیں آئے تھے کہ مجھے نیچے سے ایک سپاہی کی آواز آئی جو کسی دوسرے سپاہی سے بات کر رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کوئی سپاہی بدنیتی سے اندر آنا چاہتا تھا کہ ہمارے آدمیوں نے اسے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ اس پر دوسرا سپاہی اسے کہنے لگا "ایدھر آ جا اوئے انہاں دا کی اعتبار ہے جو چاہن گل بنا لین" یعنی ان کا کیا اعتبار ہے ان کا جو جی چاہے گا ہمارے خلاف بات بنا لیں گے۔ گویا ہمارے سب لوگ جھوٹے تھے اور وہ لوگ جو روزانہ قسمیں کھاتے اور ہمارے سامنے جھوٹ بول رہے تھے وہ سچے تھے۔ خیر ان ڈپٹی کمشنر صاحب نے کچھ دیر ان سے باتیں کرنے کے بعد مجھ سے کہا کہ ان سپاہیوں سے باتیں کرنی فضول ہیں۔ ان میں کوئی افسر نہیں ہے اور نہ ہی ان کو کوئی اختیار ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کی طرف آدمی بھجوا دیں اور انہیں ان تمام حالات سے اطلاع دیں۔ مَیں نے کہا کہ اس کا

مَیں پتہ کروا چکا ہوں۔ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس دونوں اس وقت باہر ہیں۔اسی وجہ سے ہم حیران ہیں کہ کیا کریں۔انہوں نے کہا تو پھر یہ جو کانسٹیبل یا ہیڈ کانسٹیبل ہیں ان سے بات کرنی فضول ہے۔انہیں دیکھ کر تو یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ ان کا افسر کون ہے۔پھر انہوں نے کہا یہاں مسٹر سلیٹر ایس۔ڈی۔او ہیں۔مرزا مظفر احمد صاحب ان کے پاس چلے جائیں۔مَیں نے کہا مظفر احمد کا جانا ٹھیک نہیں وہ یہاں گواہ کے طور پر ہیں۔میں درد صاحب اور مرزاناصر احمد کو بھجوا دیتا ہوں۔چنانچہ مَیں نے ان دونوں کو مسٹر سلیٹر کی طرف بھجوا دیا اور خود ان سپاہیوں سے پوچھا کہ تم میں افسر کون ہے۔اس پر وہ پہلے تو کہنے لگے کہ ہمیں پتہ نہیں ہماراکون افسر ہے پھر جب مزید اصرار کیا تو ان میں سے کوئی کہے کہ یہ افسر ہے اور کوئی کہے وہ افسر ہے۔آخر ایک کی طرف اشارہ کر کے وہ کہنے لگے کہ ہم میں سے یہ سب سے بڑا ہے اور وہ بغیر وردی کے تھا۔اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا مَیں وردی میں ہی نہیں۔فلاں شخص ہے۔اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بے وردی شخص سینئر ہے مَیں افسر نہیں۔جب اسے کہا گیاکہ وہ تو منکر ہے تو اس نے جواب دیا کہ" جنھوں سمجھ لو" یعنی جسے چاہیں افسر سمجھ لیں۔آخر ان ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم کو یہ تو بتانا چاہئے تم میں سے بڑا کون ہے۔اس پر بھی انہوں نے کچھ ایسا ہی جواب دیا۔غرض اسی قسم کی آئیں بائیں شائیں کرتے رہے خیر انہوں نے کہا مسٹر سلیٹر ایس۔ڈی۔او ابھی آ جائیں گے۔ان لوگوں سے بات کرنی فضول ہے آپ اندر چل بیٹھیں۔چنانچہ وہ اور مَیں اور عزیزم مظفر احمد کمرہ میں بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر میں مسٹر سلیٹر ناصر احمد کے ساتھ آ گئے۔مسٹر سلیٹر نے کوٹ اتارا اور بیٹھتے ہی کہا کہ مَیں پولیس افسر نہیں۔میرے پاس تو جب کیس آتا ہے اس وقت اسے سنتا ہوں۔وہ مجھے ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے۔یونہی یہ سن کر کہ کوئی شخص باہر سے یہاں چند دنوں کے لئے آیا ہوُا ہے اور اسے پولیس والوں کے متعلق کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے چلے آئے۔مَیں نے بھی ان کا شکریہ ادا کیا کہ آپ بغیر

اس علم کے کہ کیا واقعہ ہوا ہے اور ہم پر کیا گزری ہے تشریف لے آئے ہیں۔ خیر انہیں تمام واقعات بتائے گئے۔ انہوں نے کہا۔ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت پولیس بغیر وارنٹ دکھائے گرفتار کر سکتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کہنے لگے کہ یہ اختیارات انسپکٹر پولیس یا سب انسپکٹر پولیس کو حاصل ہیں ہر ایک کو حاصل نہیں۔ اس پر مسٹر سلیٹر نے بتایا کہ انسپکٹر پولیس بیمار تھا اور تھانیدار دورہ پر تھا۔ اس وقت انچارج ایک ہیڈ کانسٹیبل ہی ہے۔ اس لئے اسے اختیار حاصل ہے۔ پھر وہ واقعات سنتے رہے اور انہوں نے اس پر افسوس کا بھی اظہار کیا اور کہا کہ کیا آپ کے نزدیک یہ کافی نہیں ہو گا کہ مَیں انسپکٹر کو کہوں اور وہ ان لوگوں کے متعلق مناسب کارروائی کرے۔ مَیں نے انہیں کہا کہ مَیں تو اس کے متعلق گورنر صاحب کو بھی تار دے چکا ہوں۔ اس لئے ان کے فیصلہ کا مجھے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی دوران میں پولیس کے بعض نقائص کو بھی انہوں نے تسلیم کیا اور جب انہیں بتایا گیا کہ وہ بغیر تلاشی دیئے اندر آ گئے تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ واقع میں خلافِ قانون حرکت ہے۔ اور انہیں اندر نہیں آنا چاہئے تھا۔ مگر انہوں نے کہا کہ مَیں مجسٹریٹ ہوں اور صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ جب کیس میرے سامنے آئے تو اس کا فیصلہ کر دوں۔ پولیس کی کارروائی میں دخل نہیں دے سکتا۔ البتہ لڑکے کی ضمانت ابھی لے لیتا ہوں۔ ڈی۔ سی صاحب نے کہا۔ مَیں اس بارہ میں تجربہ کار ہوں۔ آپ یہ بات نہ کریں کیونکہ اس طرح آپ خود الزام کے نیچے آ جائیں گے۔ پولیس نے ابھی تک آپ کے پاس اس کے متعلق کوئی رپورٹ نہیں کی اور قاعدہ یہ ہے کہ پہلے پولیس رپورٹ کرے اور پھر اس پر کسی قسم کا ایکشن لیا جائے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ مَیں انچارج کو بلا لیتا ہوں ان کے ساتھ نائب تحصیلدار تھا۔ انہوں نے اسے بھیجا کہ جا کر تھانیدار انچارج کو بلا لاؤ۔ اس پر وہی شخص آیا جو بے وردی تھا۔ مسٹر سلیٹر نے اس سے پوچھا کہ کیا تم انچارج ہو؟ اس نے کہا کہ مَیں تو وردی میں نہیں۔ مَیں کس طرح انچارج ہو سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا۔ اچھا تو پھر کسی وردی والے کو بلاؤ۔

اس پر وہ کسی دوسرے کو بلا لایا جو وردی پہنے ہوئے تھا۔اس سے جب پوچھا گیا کہ کیا تم انچارج ہو؟ تو وہ کہنے لگا مَیں کس طرح انچارج ہو سکتا ہوں؟ مَیں تو جونیئر ہوں انچارج تو یہ ہے جو بغیر وردی کے ہے۔اس پر مسٹر سلیٹر بھی حیران ہوئے اور انہوں نے اسی شخص سے جو بغیر وردی کے تھا کہا کہ تم اس کیس کے متعلق میرے پاس رپورٹ کرو پھر مَیں اس کا فیصلہ کروں گا۔مَیں نے اس دوران انہیں توجہ دلائی کہ آپ دیکھیں یہ لوگ کس قسم کی حرکات کر رہے ہیں کہ اصل انچارج بغیر وردی کے ہے اورجو وردی میں ہے وہ انچارج ہونے سے منکر ہے۔اس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ انسپکٹر بیمار تھا اگر وہ اچھا ہوتا تو شاید اس طرح واقعات نہ ہوتے۔خیر وہ بے وردی شخص تو رپورٹ لکھنے کے لئے چلا گیا اور مسٹر سلیٹر انتظار کرتے رہے مگر جب دیر ہو گئی۔ہم نے ان سے کہا کہ آپ تشریف لے جایئے جب رپورٹ آئے گی اگر آپ چاہیں گے تو لڑکے کو آپ کے پاس ضمانت کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔چنانچہ اس پر رضامند ہو کر چلے گئے اور کہہ گئے کہ ڈی۔سی بھی شام کو آ جائیں گے مَیں نو بجے اطلاع دوں گا۔اگر ضرورت ہوئی تو مرزا مظفر احمد، خلیل احمد کو لے کر آ جائیں مَیں ضمانت لے لوں گا۔وہ تو چلے گئے مگر پولیس والے برابر بارہ بجے سے لے کر سات بجے شام تک رائفلیں لے کر ہمارے مکان کے صحن میں کھڑے رہے۔پھر مَیں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اب تم ان سے پوچھو یہ کس قانون کے ماتحت یہاں کھڑے ہیں اور ان سے لکھوا لو تاکہ بعد میں یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو اس وقت تک وہاں نہیں ٹھہرے۔انہوں نے کہا ہم کچھ لکھ کر دینے کے لئے تیار نہیں اس پر مرزا عبد الحق صاحب نے کہا کہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جس طرح تم نے آج جھوٹ بولا ہے اسی طرح کل جھوٹ بول دو اور کہہ دو کہ ہم تو وہاں گئے ہی نہیں تھے پھر مرزا عبد الحق صاحب پلیڈر نے ان سے کہہ دیا کہ اگر لکھ کر نہیں دیتے کہ ہم اس وقت تک بالاافسروں کے حکم سے مکان پر قبضہ کئے ہوئے ہیں تو پھر تمہارا کوئی حق یہاں ٹھہرنے کا نہیں پھر تم نکل جاؤ۔مَیں نے

مرزا صاحب سے کہا کہ آپ انہیں یہ نہ کہیں کہ یہاں سے نکل جاؤ کیونکہ ممکن ہے یہ لوگ جاکر یہ رپورٹ کریں کہ ہمیں مارا گیا ہے اور بات آخر وہی مانی جائے گی جو یہ کہیں گے۔ آجکل چونکہ جنگ ہو رہی ہے اس لئے مجسٹریٹوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ پولیس والوں کو کیا ضرورت تھی کہ وہ جھوٹ بولتے۔ پس مَیں نے ان سے کہا آپ یہ نہ کہیں کہ نکل جاؤ بلکہ کہیں کہ نہیں لکھ کر دیتے تو تمہاری مرضی۔ ہم یہ لکھ لیں گے کہ تم فلاں وقت تک یہاں ٹھہرے ہو اور دوبارہ ان کی تصویر لے لو۔ اور اس تصویر پر وقت بھی لکھ دو کہ اتنے بجے یہ تصویر لی گئی ہے۔ آخر شام کو اطلاع ملی کہ ایس۔ ڈی۔ او صاحب کے حکم کے مطابق جب پولیس نے رپورٹ کی تو معلوم ہوا کہ جس دفعہ کے ماتحت پولیس والوں نے کارروائی کرنی چاہی تھی اس کے ماتحت کارروائی کرنے کا پولیس کو اختیار ہی حاصل نہیں تھا۔ غرض ان کی اور بے ضابطگیوں میں ایک بڑی بے ضابطگی یہ بھی پائی گئی کہ جس دفعہ کے ماتحت انہوں نے کارروائی کرنی چاہی اس دفعہ کے ماتحت مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر کارروائی کرنے کا انہیں حق حاصل ہی نہیں تھا۔ گویا ان کا سارا فعل ہی خلافِ قانون تھا اور کسی گرفتاری کا انہیں حق ہی حاصل نہیں تھا۔ سنا گیا ہے کہ اس رپورٹ پر ایس۔ ڈی۔ او صاحب نے انچارج ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ تم نے اس دفعہ کے ماتحت کس طرح کارروائی کی ہے جبکہ کارروائی کرنے کا تمہیں کوئی حق ہی حاصل نہیں تھا۔ انہوں نے کہا ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں حق حاصل ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا قانون تمہیں اس بات کا اختیار نہیں دیتا۔ البتہ مجسٹریٹ کے حکم سے تم ایسا کر سکتے ہو۔ اس کے بعد انہوں نے اسی وقت آدمی بھجوا دیا کہ وہاں جو پولیس کھڑی ہے اسے کہہ دیا جائے کہ وہ کوٹھی سے واپس چلے جائیں۔ چنانچہ سات بجے شام کو پولیس وہاں سے ہٹی۔ رات کو ایس۔ ڈی۔ او صاحب کا پھر رقعہ آیا کہ صبح مَیں مرزا خلیل احمد کے بارہ میں اطلاع دوں گا۔ دوسرے دن حسبِ وعدہ گیارہ بجے کے قریب ان کا رقعہ آیا کہ آپ خلیل احمد کو بے شک لے جائیں۔ ہماری طرف سے اس میں کسی قسم کی روک نہیں۔ چنانچہ اس پر

ہم قادیان آ گئے۔

صبح کے شور و شر کے بعد جب مختلف لوگوں کی گواہیاں لینے کے لئے مَیں نے مرزا عبد الحق صاحب کو مقرر کیا تاکہ تازہ بتازہ شہادت قلم بند ہو جائے تو مجھے معلوم ہوا کہ پولیس ڈاک آنے سے پہلے ہی ڈاک خانہ کے پاس بیٹھی تھی حالانکہ ابھی پیکٹ نہیں آیا تھا۔ اسی طرح وہ سڑکوں پر بھی مختلف جگہوں پر کھڑی تھی۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ پولیس پیکٹ کے منصوبہ میں شامل تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ڈاکیا نے اصرار کر کے خلیل احمد کو پیکٹ دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب ڈاکیا پیکٹ لایا تو خلیل احمد وہ پیکٹ درد صاحب کے پاس لایا اور کہنے لگا کہ یہ میرے نام بیرنگ پیکٹ آیا ہے کیا مَیں لے لوں۔ درد صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے اس سے کہا ایسا پیکٹ نہیں لینا چاہئے مگر وہ باہر جا کر پھر آیا اور اس نے دو آنے ڈاکیا کو دینے کے لئے طلب کئے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ ڈاکیا اصرار کرنے لگا تھا کہ ضرور پیکٹ لے لیا جائے اور کہنے لگا کہ دو آنے خرچ کرنا کونسی بڑی بات ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ڈاکیا کو بھی پولیس نے یہ کہہ کر بھجوایا تھا کہ تم اصرار کرنا تاکہ خلیل احمد اس پیکٹ کو وصول کر لے۔

یہ واقعات ہیں جو مَیں نے بغیر کسی قسم کی جرح کے اور بغیر اپنے جذبات کو ظاہر کرنے کے بیان کر دیئے ہیں۔ مَیں نے یہ نہیں بتایا کہ کس کس طرح ان واقعات سے سلسلہ پر اور ہم پر حرف آیا ہے یا ان واقعات سے اور ان سے جن کو مَیں نے ظاہر نہیں کیا کس طرح پولیس والوں کی بد نیتی اور ان کی جماعت کو ذلیل کرنے کی کوشش ظاہر ہوتی ہے۔ مَیں ان امور کو اس وقت تک ملتوی رکھتا ہوں جب تک گورنمنٹ سے اس بارہ میں مَیں گفتگو نہ کر لوں اور یہ نہ معلوم کر لوں کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔ مگر جو چیز مجھے عجیب لگی ہے جو میرے دل میں کھٹکتی ہے اور جس کے بیان کرنے سے مَیں نہیں رک سکتا وہ یہ ہے کہ اگر

اس ایکٹ کا وہی مفہوم ہے جو اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر اس ایکٹ کے ماتحت کسی کو بھی کوئی پیکٹ بھجوا کر گرفتار کرا دینا بالکل آسان امر ہے اور اس طرح ہماری جماعت کا کوئی فرد اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کل ممکن ہے میرے پاس اس طرح کا کوئی پیکٹ آ جائے اور پولیس مجھے گرفتار کر لے۔ آخر سوشلسٹوں کے لئے یا پولیس کے لئے اس قسم کا پیکٹ بھجوانا کیا مشکل ہے۔ سوشلسٹوں کے اشتہارات وغیرہ اس کے قبضہ میں آتے ہی رہتے ہیں۔ وہ آسانی سے کسی دوسرے کے نام وہی اشتہارات بصورت پیکٹ بھیج کر اسے گرفتار کرا سکتی ہے۔ گویا تمام معززین کی عزتیں خطرہ میں ہیں اور امن محض سی آئی۔ ڈی کے چند افسروں کے ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ مَیں نے اس خط میں جو ہِز ایکسی لینسی گورنر پنجاب کو بھجوایا ہے یہی لکھا ہے اور ان سے پوچھا ہے کہ کیا قانون کا یہی منشاء ہے۔ مَیں کسی بڑے افسر کا نام ادب کی وجہ سے نہیں لیتا لیکن کیا ان کو اس قسم کا پیکٹ اگر کوئی بھیج دے تو پولیس تین چار منٹ کے بعد ہی ان کو گرفتار کرے گی حالانکہ تین چار منٹ میں کوئی انسان خواہ کتنا ہی سمجھدار ہو، کتنا ہی طاقتور ہو، کتنے ہی وسیع ذرائع رکھنے والا ہو یہ نہیں کر سکتا کہ اس پیکٹ کو ڈپٹی کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھجوا سکے۔ آخر وہ کونسا ذریعہ ہے جس کے ماتحت اس قسم کا پیکٹ پہنچنے کے تین چار منٹ بعد ہی انسان اسے کسی ذمہ دار افسر تک پہنچا سکے اور اس طرح اپنی بریت ثابت کر سکے۔ مَیں سمجھتا ہوں انگریزوں کے جرنیل اور کرنیل بھی یہ طاقت نہیں رکھتے کہ وہ باوجود بڑی طاقت رکھنے کے، باوجود ہوائی جہاز رکھنے کے اس قسم کا پیکٹ پہنچنے کے بعد تین چار منٹ کے اندر اندر اس کے متعلق کوئی کارروائی کر سکیں۔ پس اگر اس قانون کا یہی مفہوم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کے ہر شخص کی عزت خطرہ میں ہے۔ فرض کرو مَیں اس وقت وہاں موجود نہ ہوتا تو کیا اس قانون کے ماتحت خلیل احمد مجرم نہیں تھا۔ یا فرض کرو وہ اس کی اہمیت کو نہ سمجھتا اور اس پیکٹ کو کمرہ میں پھینک دیتا تو کیا وہ مجرم نہ بن جاتا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ

اس قانون کا یہ منشاء ہو جو پولیس نے سمجھا لیکن چونکہ مَیں نے اس کے متعلق گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے اس لئے مَیں دیکھنا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ اس کا کیا جواب دیتی ہے۔ اگر گورنمنٹ کا یہی منشاء ہے تو بغیر مزید تحقیق کئے ابھی سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اس کے ماتحت ہندوستان میں کسی شخص کی عزت محفوظ نہیں اور اگر اس قانون کا یہ منشاء نہیں اور گورنمنٹ نے ایسے اصول تجویز کئے ہیں جن سے اس قسم کے خطرات کا ازالہ ہو سکتا ہے تو یقیناً گورنمنٹ کا فرض ہے کہ ان لوگوں کو جو اس واقعہ کے ذمہ دار اور اصل مجرم ہیں سزا دے۔ مقامی پولیس بھی بے شک قصور وار ہے لیکن وہ اس قدر جرأت نہیں کر سکتی جب تک سی آئی ڈی کے کسی افسر کا اس میں ہاتھ نہ ہو۔ چنانچہ جب ہم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں اس پیکٹ کا کیونکر علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں سی آئی ڈی کے افسر نے بتایا تھا۔

میرے پاس اس شبہ کی کافی وجوہ موجود ہیں کہ یہ پیکٹ پولیس نے ہی خلیل احمد کے نام بھجوایا تھا لیکن مَیں ان وجوہ کو ابھی ظاہر نہیں کرتا۔ مَیں نے سرِ دست حکومت پنجاب کو اس طرف توجہ دلائی ہے اگر اس نے توجہ نہ کی تو وہ وقت ہو گا جب ہم سمجھیں گے کہ حکومت اس قسم کے افعال کو پسندیدہ سمجھتی ہے یا اس واقعہ کے بعد اسے پسند کرنے لگی ہے ابھی اس بارہ میں مَیں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ مَیں نے بتایا ہے کہ ابھی ہمیں اس بات کا کوئی پختہ علم نہیں کہ حکومت پنجاب کا اس واقعہ کے ساتھ تعلق ہے یا نہیں۔ لیکن مَیں سمجھتا ہوں مقامی حکام پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کیونکہ جس ذمہ دار مقامی حاکم کو اس کا علم ہوا اس نے ہمارے ساتھ شریفانہ طور پر سلوک کیا۔ سرِ دست مَیں نے جماعت کے نمائندوں کو بلوایا ہے کہ وہ اتوار کے دن یہاں آئیں ان سے اس کے متعلق مشورہ لیا جائے گا اور تمام واقعات کو ان کے سامنے رکھا جائے گا بہت سے واقعات ایسے ایسے ہیں جن کو مَیں نے ابھی بیان نہیں کیا کیونکہ اگر مقدمہ ہوا تو اس وقت وہ کام آئیں گے۔ پھر ان کا بیان کرنا اس لحاظ سے بھی میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ممکن ہے جماعت میں

اشتعال پیدا ہو۔ مَیں ابھی حکومت کا رویہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیسا ہے۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ اتوار کے دن دوستوں کو تمام حالات بتا دیئے جائیں گے۔ اور اس وقت تک تین چار دن بھی گزر چکے ہوں گے۔ مَیں نے حکومت کو توجہ دلائی ہے کہ مجھے تار کے ذریعہ جواب دیا جائے مگر ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ ہِز ایکسی لینسی گورنر پنجاب کو جو خط مَیں نے لکھا ہے اس میں مَیں نے تحریر کیا ہے کہ ہماری جماعت لاکھوں روپیہ گورنمنٹ کی بہبودی کے لئے خرچ کر چکی ہے اور جو جماعت لاکھوں روپیہ گورنمنٹ کے لئے خرچ کر چکی ہو اس کے امام کا یہ مطالبہ کہ اس کی چِٹھی کا جواب دو روپے کی تار کے ذریعہ دیا جائے کوئی ناواجب مطالبہ نہیں عقلاً اور انصافاً یہ مطالبہ بالکل جائز اور درست ہے۔ لیکن بہرحال چونکہ طاقت اور اقتدار حکومت کے ہاتھ میں ہے اس لئے تار کے ذریعہ جواب دینا یا نہ دینا اس کی مرضی پر منحصر ہے لیکن بہرحال اتوار تک خط کے ذریعہ بھی جواب آ سکتا ہے۔ اگر اس وقت تک جواب آ گیا تو جماعت کے نمائندگان کے سامنے اسے رکھا جائے گا اور اگر نہ آیا تو اس کی ذمہ داری گورنمنٹ پر ہو گی۔ مَیں نے بدھ کو تار دیا تھا اس کا جواب جمعرات کو آ جانا چاہیئے تھا جمعرات کو نہ آتا تو جمعہ کو آ جانا تھا جمعہ کو نہیں آیا تو ہفتہ کو آ سکتا ہے اور اگر ہفتہ کو نہ آئے تو اتوار کو آ سکتا ہے۔ اگر اتوار کو بھی حکومت کی طرف سے تار اور خط کا کوئی جواب نہ آیا تو اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں بلکہ گورنمنٹ پر ہو گی۔

چونکہ ہماری جماعت کے بعض نمائندے قانونی مجالس میں بھی ہیں اور جب گورنمنٹ نے یہ قانون بنایا تھا تو اس وقت گورنمنٹ کی کونسل میں ہماری جماعت کا بھی ایک فرد موجود تھا۔ گو وہ جماعت کا نمائندہ نہیں تھا۔ اس لئے مَیں اس امر پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر قانون کا وہی منشاء ہے جو ظاہر ہوا ہے اور اس قانون کے پاس کرنے میں ہمارے ان دوستوں کا بھی ہاتھ ہے جو قانون ساز مجلس میں ہیں تو یقیناً انہوں نے یہ بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ کانگریس والوں پر بھی بے شک

اعتراض عائد ہوتا ہے جنہوں نے اپنا بد دیانت ہونا کھلے طور پر ثابت کر دیا ہے کیونکہ جب تک وہ برسرِ اقتدار نہیں آئے تھے اسی قسم کے قوانین کو ظالمانہ کہا کرتے تھے مگر جب ان کی پارٹی بر سر اقتدار آئی تو انہی ظالمانہ قوانین کے ماتحت انہوں نے حکومت کی۔ اور جب لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ انہیں منسوخ کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ تو کانگریس کی بر سر اقتدار پارٹی اول درجہ کی خائن ثابت ہو چکی ہے پہلے تو وہ بعض انگریزی قوانین کے خلاف ایجی ٹیشن کرتی رہی مگر جب خود بر سر اقتدار ہوئی تو وہی قانون جاری کر دیئے اور لوگوں کے شور مچانے پر کہہ دیا کہ ان قوانین کے بغیر کام نہیں چلتا۔ ایسے خائن اور بد دیانت لوگوں کی ہم پر ذمہ داری نہیں۔ لیکن اگر ہماری جماعت کے کسی فرد نے خواہ بحیثیت ممبر اس قانون کی تائید کی ہے اور خواہ قانون کی تشکیل میں حصہ لیا ہے یقیناً اس نے اپنی عاقبت خراب کر لی ہے۔ اور یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے سامنے بہت بڑے مجرم کی صورت میں پیش ہو گا۔ کیونکہ اس نے تینتیس کروڑ باشندوں کو قانون کے ذریعہ ذلیل کرنے کا سامان تیار کیا اور ان کی عزتوں کو ایک عرصہ کے لئے خطرہ میں ڈال دیا۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ قانون ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں سے گزرا ہے جن میں سے بعض میرے نہایت ہی عزیز ہیں مگر خدا مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے اور مجھے اس کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس قانون کا یہی منشاء ہے تو یقیناً انہوں نے اپنی احمدیت پر ایک دھبہ لگا لیا ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ فوراً استعفیٰ دے دیتے اور کہتے کہ ہم اس قانون کی تائید کرنے یا اس پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اگر اس قانون کا یہ منشاء نہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ گورنمنٹ پر اس امر کو ثابت کریں اور اسے کہیں کہ اس قانون کو خلافِ منشاء کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ پس جس حد تک واقعہ کا سوال ہے میں ابھی اس کو نظر انداز کرتا ہوں لیکن جس حد تک قانون کا سوال ہے مَیں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر قانون کا

یہی منشاء ہے تو ہر وہ شخص جس نے اس قانون پر دستخط کئے، ہر وہ شخص جو اس کے مشورہ میں شریک رہا وہ خدا تعالیٰ کے حضور مجرم ہے اور وہ 33 کروڑ باشندوں کو ذلیل کرنے کا مرتکب ہے۔ اس کی نمازیں، اس کے روزے اور اس کی قربانیاں، اس کے کسی کام نہیں آئیں گی کیونکہ اس نے دین کو دنیا پر مقدم نہیں کیا۔ مَیں قانون دان نہیں لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر ہندوستانیوں میں کچھ بھی غیرت ہوتی اور اگر اپنے ملک کی ان کے دلوں میں کچھ بھی محبت ہوتی تو ایسے قانون کے پیش ہونے پر اس کے مُضِر حصہ کو وہ کبھی پاس نہ ہونے دیتے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جنگ کے ایام میں امن کے قیام کے لئے نسبتاً سخت قانون کی ضرورت ہے مگر اس قسم کے جاہل انسانوں کے ہاتھ میں جو صحیح طور پر بات بھی نہیں سمجھ سکتے کجا یہ کہ قانون کو سمجھ سکیں یہ ایسی چیز ہے جس سے نہایت ہی خطرناک حربہ ہو جاتا ہے۔ لیکن فرض کرو ایسا اختیار ڈپٹی کمشنر کو دے دیا جائے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ گو اس طرح بھی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ مگر موجودہ طریق کے مقابلہ میں بہت کم پیدا ہوں گی۔ اور پھر اور نہیں تو یہ فائدہ تو ضرور ہو گا کہ پبلک کا واسطہ کسی ایسے انسان سے پڑے گا جو معقول ہو گا اور بات کو سمجھنے کی اہلیت رکھے گا۔ مگر اب جس قسم کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے اس کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ہیڈ کانسٹیبل کو درد صاحب تار سنانے لگے تو وہ کہنے لگا مجھے انگریزی نہیں آتی اور ترجمان کے ذریعہ سے اسے تار کا مطلب سمجھایا گیا۔ جسے اس نے اس وقت صحیح بتایا گو بعد میں سنا ہے کہ رپورٹ میں یہ لکھ دیا کہ مرزا خلیل احمد کے ہاتھ سے پیکٹ لیا تھا۔ پھر جب انہوں نے کہا کہ جو کچھ کہنا چاہتے ہو لکھ کر دو۔ تو پہلے تو وہ لکھنے کے لئے بیٹھ گیا لیکن پھر اس نے کہہ دیا کہ مَیں لکھ نہیں سکتا۔ یہ تو اس کا جھوٹ تھا لیکن بہرحال وہ انگریزی نہیں جانتا تھا۔ اب جو لوگ انگریزی نہیں جانتے تو انہوں نے بھلا قانون کا کیا سمجھنا ہے۔ پس قانونی لحاظ سے یہ اتنی خطرناک غلطی ہے کہ میرے نزدیک ہر ممبر کونسل جس نے اس کی تائید میں اپنا ووٹ دیا ہے اس نے

قطعی طور پر اپنے فرض کو ادا نہیں کیااور اگر کسی نے اس بارہ میں غفلت سے کام لیا ہے تب وہ خدا تعالیٰ کے حضور مجرم ہے اور اگر اس نے جانتے ہوئے اس میں تھوڑے سے تھوڑا حصہ بھی لیا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے حضور بہت بڑا مجرم ہے اور جن احمدیوں نے اس میں حصہ لیا ہے وہ تو بہت بڑے مجرم ہیں۔

ہم اخباروں میں ہمیشہ یہ خبریں پڑھا کرتے تھے کہ ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت آج فلاں کو سزا ملی ہے اور آج فلاں کو۔ اور مَیں خیال کیا کرتا تھا کہ انہیں سز اجائز طور پر ملی ہو گی مگر اب تو مجھے ساروں کے متعلق یہی شک پیدا ہو گیا ہے۔ اور مَیں خیال کرتا ہوں کہ شاید انہیں بے جا طور پر ہی جیل خانوں میں ڈال دیا گیا ہے۔

بہرحال میں نے اس کے متعلق ہِز ایکسی لنسی گورنر پنجاب کو لکھا ہوًا ہے اور آج یا کل اس چِٹھی کی زائد کاپیاں ان منسٹروں کے پاس بھیجی جائیں گی جو پبلک تقریروں میں ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں کہ ملک میں امن کے قیام کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس واقعہ کے بعد بھی ان پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں اور کیا قانون کا یہ جائز استعمال کیا گیا ہے یا ناجائز۔ اس کے بعد اگر ضرورت ہوئی تو ہم اپنے حق کے حصول کے لئے جد و جہد شروع کریں گے مگر کوئی ایسی کارروائی نہیں کریں گے جو جنگ کے کاموں میں روک پیدا کرنے کا باعث ہو۔ جنگ نہ ہمارے وزیر اعظم صاحب نے چھیڑی ہے اورنہ گورنر صاحب نے۔ یہ جنگ تو ہمارے بادشاہ اور ان کے وزراء کے حکم کے ماتحت لڑی جا رہی ہے اور ہندوستان کے گورنر یا یہاں کے وزراء اس جنگ کی عمارت کے نیچے کی چھوٹی سی اینٹیں ہیں۔ اگر اس میں حکومت پنجاب یا اس کے بعض افسروں کا دخل ثابت بھی ہو جائے تو اس عمارت کے خلاف ہمارا کھڑا ہو جانا نادانی ہو گی۔ کیونکہ جنگ کا آغاز ہٹلر نے کیا اور ہمارے بادشاہ اور وزراء نے اس کے مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ ہم نے جہاں تک غور کیا ہے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمارے بادشاہ اور وزراء حق پر ہیں

اور ہٹلر ظالم ہے۔ پس جس فعل کو ہم ظالمانہ سمجھتے ہیں اگر اس کے مقابلہ میں ہم کوئی کوتاہی والی صورت پیدا کریں تو ہم مجرم ہوں گے اس لئے ہم کوئی ایسی کارروائی نہیں کر سکتے جس سے جنگ کے کاموں میں روک پیدا ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے جب کبھی کوئی ایسی بات ہو بعض پُرجوش نوجوان کہہ دیتے ہیں کہ جب گورنمنٹ کا ہم سے یہ سلوک ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم فوج میں بھرتی ہوں یا گورنمنٹ کی مالی مدد کریں اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جو لوگ ہماری جماعت میں سے بھرتی ہو رہے ہیں۔ وہ نہ ہیڈ کانسٹیبلوں کی خاطر جان دے رہے ہیں اور نہ پنجاب کے وزراء وغیرہ کی خاطر جان دے رہے ہیں بلکہ وہ جو جان دے رہے ہیں تو اپنے بادشاہ کے لئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ جماعت احمدیہ کی تعلیم کے ماتحت جان دے رہے ہیں۔ پس اس قسم کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں آنی چاہئے۔ مومن جو کام بھی کرتا ہے عقل کے مطابق کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ لڑائی ایک طرف ہو تو وہ حملہ دوسری طرف کر دے۔ فرض کرو ہمیں اپنی تحقیق کے بعد یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ میں بعض بالا حکام کا دخل تھا یا سی آئی۔ ڈی کے کسی افسر کا دخل تھا تو پھر بھی ہماری ان کوششوں میں کوئی فرق نہیں آنا چاہئے بلکہ ہر دفعہ ہماری کوششوں کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہونی چاہئے۔ مَیں نے ذاتی طور پر جتنا چندہ گورنمنٹ کی امداد کے لئے پچھلے سال دیا تھا اس سے زیادہ چندہ اس سال دیا ہے اور جتنا چندہ پچھلے سال انجمن سے دلوایا تھا اس سے زیادہ اس سال دلوایا ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور افلاس نے مجھے مجبور نہ کر دیا تو میرا یہی ارادہ ہے کہ ہر سال پہلے سال سے زیادہ چندہ دیتا چلا جاؤں۔ اسی طرح جتنے رنگروٹ ہماری جماعت سے ایک مہینہ میں بھرتی ہوں۔ اس سے زیادہ رنگروٹ دوسرے مہینہ میں بھرتی ہونے چاہئیں۔ اور اس سے زیادہ رنگروٹ تیسرے مہینہ میں بھرتی ہونے چاہئیں کیونکہ پنجاب کی حکومت یا اس کے افسران میں سے کسی افسر کا کوئی قصور ایمپائر یا دنیا کے حقوق کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور وہ ہماری

ان کوششوں میں جو ہم جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے کر رہے ہیں روک نہیں بن سکتا بلکہ اسلام اور احمدیت کے حقوق پر بھی اگر کوئی عارضی اثر پڑے تب بھی ہماری ان کوششوں میں کوئی کمی نہیں آ سکتی کیونکہ جیسا کہ نظر آ رہا ہے اس جنگ کا ایک دائمی اثر اسلام اور احمدیت کی تائید میں یا خلاف پڑنے والا ہے لیکن اگر ایسا وقت آیا کہ اسلام اور احمدیت کے حقوق کا نقصان اس فائدہ سے زیادہ ہوا جو جنگ کے نتیجہ کے طور پر دنیا کو حاصل ہو سکتا ہے تو تم جانتے ہو کہ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے بزدل نہیں اس وقت مَیں تمہیں خود کہوں گا کہ تم اپنے رویہ کو بدل لو۔ لیکن اب تک مَیں اسی یقین پر قائم ہوں کہ ہمیں اس جنگ میں حکومت کی مدد کرنی چاہئے اور نہ صرف اس یقین پر قائم ہوں بلکہ اتنے زور سے قائم ہوں کہ مَیں سمجھتا ہوں اگر ان کوششوں میں ذرہ بھی کوتاہی ہوئی تو مَیں بھی اور جماعت بھی خدا تعالیٰ کے حضور مجرم ٹھہریں گے۔ اس لئے ان کاموں کو کرتے چلے جاؤ اور اس وقت کا انتظار کرو جب معلوم ہو جائے کہ حکومت اس بارہ میں کیا رویہ اختیار کرتی ہے۔ اس کے بعد پھر جو مناسب قدم ہو گا وہ اٹھایا جائے گا۔ لیکن بہرحال ہم ایسا قدم ہی اٹھائیں گے جس سے ہماری جنگی کوششوں پر کوئی اثر نہ پڑے اور ایسی تدابیر اختیار کریں گے جن سے ان کوششوں پر اثر پڑے بغیر ہماری ناراضگی گورنمنٹ پر ظاہر ہو جائے۔ مثلاً الیکشنوں کا ہی سوال ہے۔ گو اب جنگ کی وجہ سے اسمبلیوں کی مدت بڑھا دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ انتخابات کی وجہ سے فسادات ہوتے ہیں لیکن بہرحال اگر آج نہیں تو آج سے پانچ سال کے بعد پھر انتخاب ہوں گے ممکن ہے اس عرصہ میں مَیں مر جاؤں مگر جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اس وقت زندہ ہو گی اور اس وقت وہ کوشش کر کے ان ظالموں کو سزا دلا سکے گی جن کی نسبت ثابت ہو کہ وہ خلاف انصاف حرکات کے مرتکب ہوئے ہیں اور ان کے مقابلہ میں کھڑے ہونے والوں کی مدد کر سکتی ہے اور یاد رکھو کہ اس بارہ میں جماعت احمدیہ کو بڑی طاقت حاصل ہے۔ اگر

سب جماعت ایسے موقع پر ان لوگوں کا ساتھ دے جن سے انصاف کی امید ہو تو یقیناً وہ حیرت انگیز نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی قسم کے ذرائع ہیں جن سے کام لے کر جنگ کے دوران بھی اور جنگ کے بعد بھی ہم ان لوگوں کو سزا دے سکتے ہیں جو انصاف کے قیام میں روک ہوں۔ پس تم ان باتوں کو مجھ پر چھوڑ دو بلکہ مجھ پر بھی نہیں خدا پر چھوڑ دو کیونکہ وہی ہمیں ہدایت دیتا ہے۔ اور وہی ایسی تدابیر بتاتا ہے جن سے بغیر اس کے کہ ہم قانون شکنی کریں اپنی شکایات کا ازالہ کرا سکتے ہیں اس دن بعض اور واقعات بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک سپاہی نے زنانہ میں گھسنے کی کوشش کی۔ اگر اسی جگہ کسی اور کے ساتھ اس قسم کا واقعہ ہوتا اور اس کے ساتھ اس قسم کی عقیدت رکھنے والے لوگ نہ بھی ہوتے جس قسم کی عقیدت رکھنے والے لوگ ہماری جماعت میں شامل ہیں بلکہ اگر کسی معمولی جاٹ کے ساتھ ہی یہ واقعہ ہوتا تو سپاہیوں کے سر پھوڑ دیئے جاتے مگر پولیس والے سات گھنٹہ تک اس دن میرے مکان پر رائفلیں لے کر کھڑے رہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ انہوں نے مجھے باغی سمجھا اور خیال کیا کہ خلیل کی گرفتاری پر ہم سب لڑ پڑیں گے حالانکہ ہم اصول کے ایسے پابند ہیں کہ خلیل احمد کی گرفتاری تو کیا میری گرفتاری کے لئے اگر وہ آئیں تو اس وقت بھی ہماری جماعت میں سے کوئی شخص ان سے نہیں لڑے گا۔ ہم تو جانتے ہیں ہمیں خدا نے تلوار دی ہی نہیں۔ پس ہمارا کسی سے لڑنا حماقت ہے اگر خدا نے ہمیں تلوار دی ہوتی تو تلوار سے لڑنا ہمارے لئے جائز بھی ہوتا مگر ہمیں تو خدا نے نہ تلوار دی ہے اور نہ رائفل۔ پس ہم ان ہتھیاروں سے کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر ہم میں سے کوئی لڑے تو یقیناً وہ احمق ہو گا کیونکہ اس نے دنیا کو بھی اپنا دشمن بنا لیا اور خدا کو بھی۔ ہمارے پاس جو ہتھیار ہے وہ ہماری دعائیں ہیں جو ہماری زبان سے نکلتی اور خدا تعالیٰ کے عرش تک پہنچ جاتی ہیں۔ فرض کرو وہ سپاہی اس وقت رائفل چلا بھی دیتے اور گولی میرے دل پر آ لگتی تو گو مَیں اس گولی کو نہیں روک سکتا تھا مگر اس گولی کے لگتے وقت جو دعا میری زبان سے نکلتی

اسے دنیا کے تمام بادشاہ مل کر بھی پورا ہونے سے نہیں روک سکتے تھے۔ چنانچہ دیکھ لو محمد ﷺ اسلام کے بادشاہ تھے اور آپ وفات پا گئے مگر کیا آپ کی وفات کے بعد اسلام کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائید جاتی رہی؟ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے مگر کیا آپ کی وفات کے بعد احمدیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائید نہیں رہی؟ اسی طرح بے شک ہم فوت ہو جائیں مگر وہ دعائیں جو ہمارے دل سے نکلتی ہیں، وہ آہیں جو ہمارے سینہ سے بلند ہوتی ہیں اور وہ خیالات جو ہمارے دماغ میں اٹھتے ہیں وہ اتنی بڑی تلواریں، اتنی بڑی رائفلیں اور اتنی بڑی توپیں ہیں کہ دنیا کی کوئی تلواریں، دنیا کی کوئی رائفلیں اور دنیا کی کوئی توپیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ کیا ہم نے ان تلواروں اور بندوقوں سے مقابلہ کرنا تھا کہ وہ رائفلوں سے مسلح ہو کر سات گھنٹہ تک ہمارے مکان پر کھڑے رہے۔ گویا ہم مجرم اور ڈاکو تھے جن کے لئے وہ اکٹھے ہوئے تھے اور گویا خلیل احمد کے لئے ہم سب نے ان سے لڑائی شروع کر دینی تھی۔ خلیل احمد تو ایک بچہ ہے اگر میرے سارے بچوں کو بھی وہ پکڑ کر لے جائیں تو ہم میں سے کوئی شخص ان پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا کیونکہ ہمیں خدا نے ہاتھ اٹھانے کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح اگر یہ واقعات جاری رہے تو ممکن ہے کل کو وہ مجھے بھی پکڑ لیں مگر اس صورت میں بھی وہ ہم میں سے کسی کو اپنے مقابلہ میں اٹھتے ہوئے نہیں دیکھیں گے کیونکہ اس معاملہ میں خدا نے ہمارے ہاتھ باندھ رکھے ہیں اور جس معاملہ میں خدا مومن کے ہاتھ کو باندھ لے اس میں وہ ہیجڑا بن جاتا ہے۔ ہمیں خدا نے کہا ہے کہ تم اپنے ہاتھ بند رکھو ہمیں خدا نے یہ کہا ہے کہ تم حکومت کی اطاعت کرو۔ 1 پس اس معاملہ میں ہم ہمیشہ اپنے خدا کے حکم کے ماتحت چلیں گے اور کسی قسم کی قانون شکنی کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

بھلا وہ لوگ جنہوں نے افغانستان میں پتھروں کی بوچھاڑ کے آگے اپنے سینے تان دیئے تھے اور اُف نہ کی وہ کانگریس کے ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں

جن پر قانون کی جب ضرب پڑی تو انہوں نے قانون کو ہی چھوڑ دیا۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کانگرسیوں کی طرح نہیں ہیں اور ہم قانون کے احترام کو کسی صورت میں ترک نہیں کر سکتے۔ ہم ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری کے مقام پر کھڑے رہیں گے اور اگر وہ ہم پر رائفلیں بھی چلائیں گے تو ہم ان کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہماری رائفل ہمارا خدا ہے، ہماری تلوار ہمارا خدا ہے اور ہماری توپ ہمارا خدا ہے۔ اس رائفل، اس تلوار اور اس توپ کے مقابلہ میں اگر دنیا کی تمام رائفلیں، دنیا کی تمام تلواریں اور دنیا کی تمام توپیں بھی رکھ دی جائیں تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گی۔☆

☆خطبہ کو صاف کرتے ہوئے مجھے ضروری معلوم ہوا کہ مَیں یہ بھی ظاہر کر دوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رنج کے وقت ان کی خوشی کا بھی سامان کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب مَیں سارا دن کی کوفت کے بعد زنانہ میں آیا تو میری بیوی نے مجھ سے ذکر کیا کہ امۃ القیوم سلّمہا اللہ تعالیٰ میری لڑکی نے سنایا کہ اس بارہ میں ابا جان کی ایک رؤیا اس واقعہ کے بارہ میں تھی جو انہوں نے مجھے سنائی تھی اور بعض دفعہ بہن سے مراد بھائی ہوتا ہے۔ تب مجھے وہ رؤیا یاد آ گئی جو ایک دو سال پہلے کی ہے۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں مدرسہ احمدیہ کے ایک کمرہ میں ہوں اور وہاں عزیزہ امۃ القیوم سلّمہا اللہ تعالیٰ اور میری چھوٹی بیوی مریم صدیقہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ بھی میرے ساتھ ہیں۔ دروازہ بند ہے مگر دروازہ میں بڑی بڑی دراڑیں ہیں۔ میری نظر جو پڑی تو مَیں نے دیکھا کہ ان دراڑوں میں سے پولیس کے کچھ سپاہی جھانک رہے ہیں۔ مَیں نے ان دونوں کو چھپا دیا اور باہر نکل کر ان پولیس والوں سے کہا کہ تم کیوں جھانک رہے تھے؟ اس پر وہ کمرہ کے اندر آ گھسے۔ اس وقت میں دل میں کہتا ہوں کہ اندر میری بیوی اور لڑکی ہیں۔ ان کی بے پردگی ہو گی مگر پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب باتوں پر قادر ہے۔ وہ خود ان کی حفاظت کرے گا چنانچہ جب وہ کمرہ میں گھس آئے اور ادھر ادھر تلاش کرنے لگے تو مَیں نے دیکھا

کہ دونوں **بقیہ حاشیہ:** وہاں سے غائب ہو گئی ہیں اور مَیں کہتا ہوں کہ دیکھو میرے رب کا احسان کہ اس نے اس ذلّت سے ہمیں بچا لیا اور خود ان کو غائب کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے بغیر اس کے کہ کوئی اور دروازہ اس کمرہ میں ہو۔ ان کو غائب کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ جس کمرہ میں مَیں نے اپنے آپ کو دیکھا وہ شمال کی طرف تھا اور صحن جس میں سے پولیس آئی وہ جنوب کی طرف تھا۔ اسی طرح یہ کوٹھی جس میں ہم تھے اس کا صحن جنوب کی طرف تھا اور اسی طرف سے پولیس داخل ہوئی۔ میں وہاں سے گھر آیا اور حیرت سے امۃ القیوم سے کہتا ہوں کہ مَیں تو بڑا ڈرا تھا مگر اللہ تعالیٰ تم کو وہاں سے نکال لایا اور بے پردگی سے ہم بچ گئے چونکہ امۃ القیوم بیگم سلّمہا اور خلیل احمد ایک ہی والدہ سے ہیں اور بہن بھائی ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت سے خلیل کی جگہ امۃ القیوم سلمہا اللہ تعالیٰ کو دکھا دیا جیسا کہ عالم رؤیا میں کثرت سے ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس وقت امۃ القیوم بیگم اور مریم صدیقہ دونوں کوٹھی میں موجود تھیں حالانکہ مریم صدیقہ واپس آ رہی تھیں اور پھر کسی وجہ سے وہاں ٹھہر گئیں اور امۃ القیوم سلمہا اللہ تعالیٰ کی شادی ہو چکی ہے اور وہ سرگودھا میں تھیں۔ مگر خاوند کی چند دن کی رخصت کی وجہ سے میرے پاس مہمان ہو کر آئی ہوئی تھیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْبَرَنِیْ بِھٰذِہِ الْبَلِیَّةِ قَبْلَ وُقُوْعِھَا وَ سَلَّانِیْ قَبْلَ نُزُوْلِ الْاَلَمِ ھُوَ مَوْلَایَ وَ عَلَیْہِ تِکْلَانِیْ اِلَیْہِ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ وَ اَرْجُوْا مِنْہُ کُلَّ الْخَیْرِ۔" (الفضل 14 ستمبر 1941ء)

1 اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء: 60)